ادب اور سوشل میڈیا، ایک جائزہ

شبنم اسحاق
ظہیر حسن وٹو

Abstract:

Our life is connected with social media. Parts of our life which were considered private and sacred are now viral, such an impactful technology has impacted literature as well. In this article I have seen changes of this new medium on international scale and try to illustrate impact on Pakistan.

ہم سب کی ساری زندگی اب انٹرنیٹ سے منسلک ہے اور سوشل میڈیا پر ریکارڈ ہو رہی ہے۔ اتنے بڑے سماجی انقلاب کا ادب پر اثر انداز نا ہونا، یا محدود طور پر اثر انداز ہونا اب ممکن نہیں رہا۔ دنیا بھر میں ادب پر سوشل میڈیا کے اثرات عام ہیں۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز نے اب ہماری زندگی کو ڈیجیٹل کر دیا ہے جو پہلے کبھی انتہائی ذاتی تھی لیکن اب یہ ماضی جیسی ذاتی نہیں رہی۔ اپنا اظہار کا بہت بڑا ذریعہ اب سوشل میڈیا پر کیا جا رہا ہے جن کو بے پناہ مقبولیت بھی ملتی ہے لیکن انتہائی تشویش ناک بات ہے کہ دنیا بھر میں تو سوشل میڈیا پر لکھے جانے والی تحریروں اور ویڈیوز کے ذریعے ہونے والے اظہار کو ادبی طور پر بھی جانچا جا رہا ہے لیکن پاکستان میں ایسے اظہار کا کہیں ذکر نہیں ملتا یا کچھ لوگ اس حوالے سے کام بھی کر رہے ہیں تو پر تنقیدی یا تعریفی طور جریدوں میں لکھا نہیں جا رہا۔

دنیا کے بڑے بڑا ادیب اب سوشل میڈیا کے ذریعے ہی اپنے ناقدین اور مداحوں سے رابطہ کرتے ہیں، اپنی تحریر کی مارکیٹنگ کے لئے بھی انہی پلیٹ فارمز پر کرتے ہیں۔ یہ ایک نیا طرز عمل ہے، جہاں اپنی تحریر کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور لوگوں سے رابطہ بھی، ٹوئٹر سپیس جیسی ٹیکنالوجی سے بیک وقت ہزاروں لوگوں کو اکٹھا کر کے گھر بیٹھے عالمی کانفرنس منعقد کر دی جاتی ہے۔ لوگوں سے رابطے کے لئے پہلے کا طرز عمل اب نہیں اپنایا جاتا، پولو کوہیلو جیسے معروف دانشور اب کتابوں کو سائن کر کے بھیجنے کا رواج نہیں اپناتے بلکہ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر ہی مداحوں کو جواب دیا جاتا ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ پہلے تحریروں پر اخبارات میں مضامین چھپوائے جاتے تھے لیکن اب سوشل میڈیا پر کچھ حصے شیئر کر کے انہیں وائرل کر دیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ کتابیں پڑھنے کا رجحان کم ہونے پر لاطینی امریکا کے کئی ادیبوں نے اپنی تحریر کو ویڈیو شکل دینا شروع کر دی۔ جہاں وہ بیٹھ کر اپنی تحریر پڑھتے ہیں اور لوگ اسے سنتے ہیں۔ نامور ترین ادیب اب لوگوں تک پہنچنے

کے لئے سوشل میڈیا کا سہارے لیتے ہیں۔ آن لائن ویڈیوز میں خود بخود دھونے والا ترجمہ ادب میں موجود سرحدوں کو ختم کر رہا ہے لیکن پاکستان میں اب تک اس حوالے سے کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہوا۔ دنیا بھر میں حکومتوں نے اپنی زبانوں کو محفوظ بنانے اور ان کی ترویج کیلئے ان سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کی مدد کی تا کہ ان کی زبانیں بھی آن لائن تراجم کا حصہ بن سکیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی زبانوں کو سمجھ سکیں لیکن پاکستان میں اب تک اس حوالے سے کوئی کام نہیں ہوا۔

یقیناً اس کام میں ایک بہت بڑا حصہ مقامی لوگوں نے بھی ڈالا، جنہوں نے ٹیکنالوجی اور کوڈنگ کی مدد سے اپنی زبان کی ترویج کی۔ یونیورسٹیوں نے آگے بڑھ کر ان پراجیکٹس کو مالی امداد فراہم کی اور یوں زبانیں نئی آفاقیت کی طرف بڑھنے لگیں۔ یہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ پاکستان میں کوڈنگ ایک محدود طبقہ تک رہی، یا اس میں کام اب بھی بنیادی نوعیت کا ہی ہو رہا ہے ورنہ ہم یقیناً اپنی زبان کی ترویج میں بہتر مقام پر ہوتے۔ یہاں تو پنجابی، پشتو، بلوچی، اردو، سندھی، سمیت کسی بھی ادب سے مکمل آشنا نہیں۔ ایک دو شاعروں کو لوگ جانتے ہیں لیکن اس سے آگے کچھ نہیں۔ شاید اسی وجہ سے پاکستان میں اب تک ادیب وہ تقریم حاصل نہیں کر سکے جس کے وہ اہل ہیں۔ جب لوگ جانتے ہیں نہیں کہ ایک سندھی شاعر نے کیا کچھ لکھا، یا ایک بلوچی کی شاعری میں کیا قرب ہے؟ وہ اس سے حساس نہیں ہوں گے۔ مزید بات کی جائے تو اکثر کہا جاتا ہے کہ ہم ایک قوم نہیں بن سکے۔ یا پنجابیوں کو باقی قوم کا درد نہیں، یا فلاں فلاں کی عزت نہیں کرتا، ایسے ہی شکوہ ہم دوسری قومیت سے بھی سنتے ہیں جو ایک دوسرے کے حوالے سے ہوتے ہیں لیکن بنیاد پر کوئی نہیں جاتا۔ جب ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ ہی نہ سکھیں، ایک دوسرے سے کمیونیکشن ہی نہ کر سکیں تو درد کا رشتہ کیسے بنے گا۔ یہ جدید دور ہمیں رابطے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا بہت بڑا موقع میسر کرتا ہے۔

رام بابو سکھ سینا اپنی کتاب LiteratureUrduofhistoryA (1990) میں اردو کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

> "Urdu is truly lingua Franca of India for It is understood all over India even where it is not spoken. …. Urdu is extremely rich and boast of an enormous vocabulary. Derivatives of Iranian, Greek, Persian, Turkish, Arabic, Portuguese and lately English also are found in it over-flowing numbers intermingled with words of

Sanskrit and indigenou sorigin."1

رام بابو سکسینا اپنی کتاب میں مسلسل اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ اردو زبان نے ہندوستان میں اپنی جڑ صرف ایک ہی وجہ سے قائم کی کیونکہ یہ جدیدیت کی قائل تھی۔ اس نے تمام زبانوں کو اپنے اندر سمولیا۔ اس سے منسلک دانشور طبقے نے وقت کے مطابق فیصلے کیے اور جدیدیت پر قائم رہے۔ اسی وجہ سے اردو زبان دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان میں قابل قبول ہوئی حالانکہ ہم ایک ایسے ملک کی بات کر رہے ہیں جہاں صوبائی اور لسانی تعصب عروج پر ہے۔ تاہم اگر پاکستانی تناظر میں بات کی جائے تو ادب، شاعری سمیت تمام پہلوؤں میں حالات دگرگوں ہیں جبکہ اس زبان کا طرہ امتیاز، یعنی جدیدیت بھی اس کا حصہ نہیں رہی۔ یہاں میں ادیبوں کو اطہر پرویز کے اس جملے کا حوالہ دینا چاہتی ہوں جو ہمیشہ ادب میں جدیدیت کے قائل رہے۔

ادیب کا کام یہ نہیں کہ خارجی حقیقتوں کو اس کے جامد تصور میں دیکھے۔۲ جیدیت کے قائل ہونے کی وجہ سے اردو نے ہندوستان کی تقریباً تمام زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سمویا، پھر انگریز آئے تو انگریزی کے الفاظ کو بھی زبان کا حصہ بن گئے۔ یہ الفاظ اب بھی ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد سیاسی حالات کی وجہ سے پیدا ہونے والے تعصّبات نے اردو زبان کی اس صلاحیت کو محدود کرنا شروع کر دیا۔ بنگالی اردو تنازع، پھر سرکاری زبان بنانے کی سیاسی جدوجہد، پاکستان میں اردو کی تاریخ کا بڑا حصہ تنازعات کا شکار رہا۔ یہاں تک کہ آج تک سرکاری طور پر اردو کے حوالے سے کوئی جامع پالیسی نہیں۔ اس پوری جدوجہد میں اردو اور اس میں پیدا ہونے والا ادب ایک عام انسان کی زندگی سے دور ہو گیا۔ پاکستان کے مخصوص حالات کی بات کی جائے تو ادب عمومی طور پر متوسط طبقے سے دور ہے۔ غریب طبقات کی بات کی جائے تو ان میں موجود ادب پاکستانی کی باقی قومی زبانوں میں ہے۔ پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا، بلوچستان کے پسماندہ علاقوں میں جس شاعری پر لوگ جھومتے ہیں، یہ جو کہانیاں انہیں سوچنے پر مجبور کرتی ہیں وہ یقیناً اردو میں نہیں ہیں۔ یہاں تک کے امیر طبقات یا اشرافیہ کے بچوں کا ادب یا کہانیاں بھی اردو میں موجود نہیں۔ ایسے میں ہمیں اس نتیجے پر پہنچنا ہو گا کہ آخر اردو پاکستان میں ایک قومی زبان کا کردار ادا کرنے میں کیوں ناکام رہی۔ اس حوالے سے یہاں جس نکتے کا ذکر کرنا ہے وہ اس میں ختم ہونے والی جدیدیت ہے۔ اردو نے پاکستان کی دوسری قومی زبانوں کے ساتھ اپنا وہ تعلق قائم نہیں کیا جو متحدہ ہندوستان میں موجود تھا۔ اس تعلق کے ختم ہونے کی وجہ سے پاکستان میں یہ وہ کردار ادا نہیں کر سکی جو اسے مجوزہ طور پر کرنا تھا۔

نکولس بیلا راڈس۳ نے ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۰ء کے دوران ۹۰۰ ٹوئٹس پر مبنی پہلا سوشل میڈیا ناول "Small Places" تحریر کیا۔ اس وقت انہیں ادبی حلقوں کی جانب سے انتہائی تنقید کا نشانہ بنایا، یہاں تک کے ان کے لئے "ٹوئٹراچر" کی منفی اصطلاح بھی استعمال کی گئی لیکن پھر ان کے کام کو پڑھا گیا، ان کے الفاظ اور خیال کی تعریف ہوئی، رائٹرز اور گارڈین جیسے صحافتی مراکز نے ان کے کام پر مضامین لکھے اور یوں "ٹوئٹراچر" ایک نئی اصطلاح کے

طور پر ابھری جس میں مثبت پن آیا۔ اس پہلے سوشل میڈیا ناول نے دنیا بھر میں لوگوں کو نئے انداز میں اظہار کا موقع دیا۔

پاکستانی سوشل میڈیا کی بات کی جائے تو یہاں سب سے بڑا موضوع عمومی طور پر سیاسی چپکلش ہوتا ہے۔ اس کے بعد کھیل یا پھر ڈرامے، شاید ہی پاکستان میں کبھی کوئی کتاب یا سنجیدہ مسئلہ پاکستانی سوشل میڈیا کی زینت بنا ہو۔ جن افراد کی شاعری عام طور پر سوشل میڈیا پر وائرل ہوتی ہے تو وہ بھی سیاسی ہو تو پذیرائی ملتی ہے۔ پاکستان سوشل میڈیا پر کبھی کوئی دانشور یا ادیب نوجوانوں کی تربیت کرتا یا کم از کم ان سے رابطے مربوط کرتا نظر نہیں آتا۔

اب دنیا بھر ادب سے منسلک شخصیات سوشل میڈیا ک ذریعے پڑھنے والوں سے منسلک ہیں، بلاگ پوسٹس کے ذریعے نا صرف پیسے کماتے ہیں بلکہ اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اپنے لکھے ہوئے الفاظ کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ کتابوں سے کہیں زیادہ پیسا اب بلاگ پوسٹس سے کمایا جا رہا ہے جبکہ اس عمل سے ان کا ادب صرف ایک ملک یا خاص زبان تک محیط نہیں بلکہ بین الاقوامی حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ یہاں "ایمزون کنڈل"، "نوک" یا" گوگل پلے بکس" کی بات نہیں کر رہی، جہاں صرف کتابوں کو پڑھا جا سکتا ہے یا پھر لکھاری سے باہمی رابطہ استوار کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہاں ناولسٹ اور میڈیم جیسے پلیٹ فارمز کی بات کر رہی ہوں جہاں لکھنے والوں کو لکھنے کے ساتھ ساتھ پڑھا بھی جاتا ہے، جہاں پاکستانیوں سے دنیا بھر سے لوگ کہانیاں، نظمیں، افسانے شیئر کرتے ہیں، ان کے تراجم بھی موجود ہوتے ہیں، اور لوگ ان کو پڑھنے کے پیسے بھی دیتے ہیں، بلکہ مصنف کی مدد کے لئے بھی بہت کچھ کیا جاتا ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کے جدید لکھاریوں کو تو ایسے ایپس سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے لیکن پاکستانی ادب کے لکھاریوں کو پیسے کمانے کا موقع نہیں ملتا۔ ان ایپس پر پاکستان سے پیسے کمانے والے بیشتر لوگ انگریزی ادب لکھ رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب جاننا انتہائی ضروری ہے اور یہ ہمارے ناقدین پر بھی سوالیہ نشان ہے۔ ناقدین عمومی طور پر تنقید کر کے لوگوں تک کسی کے کام کی اچھائی برائی نہیں بتاتے۔ ایک خاص طبقے کی کتب پر بات ہوتی ہے اور ایک خاص طبقہ پر ہی تنقید ہوتی ہے۔ یوں ایسا بہت سا کام جو کہیں ہو بھی رہا ہے۔ اسے نا تو تنقید ملتی ہے اور نا ہی پذیرائی، تمام کام نا معلوم ادب کے طور پر ختم ہو جاتا ہے جس کا ریکارڈ ہی موجود نہیں۔ اس کی بڑی وجہ ہمارے اپنے ادیبوں کا رویہ بھی ہے جو گمنام رہنے یا اپنے کام کے اندر کھوئے رہنے کو ترجیح دیتے۔ فلم کردار کی طرح ادیب ایک خاص طرز کی زندگی گزارنے میں مگن ہیں، جہاں انہیں کسی بھی چیز کی کوئی پرواہ نہیں، اس کا کام صرف ادب بنانا ہے، باقی لوگ خود ہی اسے کھوج لیں۔ پاکستان میں ادیبوں کو بھی معاشرتی طور پر اپنے کردار کو مؤثر بنانے کی ضرورت پر زور دینا ہوگا۔ یونیورسٹیز کو آگے بڑھ کر انہیں فعال بنانے اور نئی نسل تک پہنچانے میں مدد فراہم کرنا ہوگی۔ اگر اسٹیفن ہاکنگ کی یونیورسٹی اس نوجوانوں تک پہنچانے کے لئے

ہر ممکن مدد فراہم نہ کرتی تو یقیناً وہ بہت کچھ نہ کر پاتے۔ یہاں ہزاروں جدید سائنسدانوں، فلسفیوں اور ادیبوں کا ذکر ہوسکتا ہے لیکن پاکستان میں اس حوالے سے کوئی مستحکم مثال موجود نہیں۔

کاملہ شمسی۴، محسن حامد۵ اور بینا شاہ۶ جیسے انگریزی ادب لکھنے والے لوگوں کو سوشل میڈیا کے باعث پذیرائی ملی، ایسی پہلے کسی ادیب کو دنیا بھر میں نہ ملی۔ دنیا بھر کے ناقدین نے ان کے کام پر تبصرے کیے، جس کے بعد انہیں پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا لیکن کیا اردو ایپ "ناولر" کے بارے میں کوئی جانتا بھی ہے؟ کیا اس پر لکھے جانے والے ادب پر کسی نے کہیں کچھ تحریر بھی کیا۔ یقیناً اس پر بہت لچر پن بھی ہوگا، یقیناً غیر ضروری اشیا کی بھرمار ہوگی، یقیناً بہت سے ایسے پلیٹ فارمز پر فضولیات کی انتہا ہوگی، لیکن سوال یہ ہے کہ یقیناً بہت کچھ اچھا بھی ہو رہا ہوگا، ا؟ خر ناقد ان کے کام پر تبصرہ کیوں نہیں کرتے۔ یہاں میں کچھ حوالے لکھنا چاہتی تھی لیکن اگر یہاں بات شروع ہوئی تو پھر اس موضوع سے معاملہ ہٹ جائے گا۔ اگلی تحریر میں یقیناً ایسے چند لوگوں کے بارے میں مفصل تحریر لکھوں گی تا کہ ان نئے ادیبوں کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ یہی حال اور رویہ ہمارا پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی ادب کے ساتھ بھی رہا ہے۔

اب تک کی گفتگو کا مطلب کوئی شکوہ نہیں بلکہ سائنس اور جدیدیت سے ہماری لاتعلقی کو اجاگر کرنا ہے جو ہمارے ادب میں بھی بہت حد تک واضح ہے۔

یہاں سماجی رہنما سلمان حیدر کا ذکر کرتی چلوں جو اپنا کلام اکثر فیس بک پر شیئر کرتے ہیں جبکہ بہت سے یوٹیوبرز ان کے کلام کو کمپوز کر کے اپنی چینلز کر شیئر کرتے ہیں۔

اور جن سے مرتبہ دیا گیا القاب کو
تم ہمیں قتل نہیں کر سکتے
کہ ہم اپنے پیدا ہونے والوں کے نام
کتبوں پر سے چنتے ہیں۔۔۔۷

سلمان حیدر

ان کی ویور شپ اور رسپانس دیکھا جائے تو معلوم ہوتا کہ لوگوں کی بڑی تعداد ان کی آزاد نظموں کو پسند کرتی ہے لیکن اگر ہم بنیاد پرست ادبی حلقوں کی بات کریں تو ان میں کہیں ذکر خیر نہیں۔ یہاں بنیاد پرست ادبی حلقوں کی بات عالمی تناظر میں کی گئی ہے جو عام طور پر اب بھی سوشل میڈیا کے ذریعے ادبی اظہار کے خلاف ہے۔ اس اصطلاح کو عمومی انداز میں لکھا گیا ہے۔

یہ لوگ محدود وسائل ہونے کے باوجود اپنے خیالات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے سوشل میڈیا کا استعمال کر رہے ہیں۔ پاکستان کی تمام قومی زبانوں میں ادب میں ان سے بڑے نام موجود ہیں لیکن شاید عام لوگ انہیں

زیادہ جانتے ہیں۔ سلمان حیدر کی آزاد نظم کی رسائی زیادہ لوگوں تک موجود ہے لیکن ہمارے ادیب اب بھی سوشل میڈیا سے زیادہ دور ہیں اور کتاب کی شکل میں ہی چھپنا پسند کرتے ہیں۔ کتاب کی شکل میں اظہار میں کوئی برائی نہیں لیکن اگر پاکستان کی نئی نسل تک اپنا پیغام اور فکر پہنچانی ہے تو یقیناً پاکستانی ادیبوں کو بھی اپنا انداز بدلنا ہوگا۔

امریکہ کی ایوارڈ یافتہ جدید شاعر اور پروفیسر "ہرویٹ مولن" نے اپنی کتاب Sleeping the with Dictionary"8 کی تحریر کے دوران اپنے طالب علموں کے ساتھ مل کر ایک تجربہ کیا۔ انہوں نے ولیم شیکسپئر کی معروف نظم Sonnet#130 کے الفاظ کو سوشل میڈیا پر استعمال ہونے والے جدید الفاظ سے تبدیل کیا اور اس کی ایک نئی شکل "DimLady" بنا دی۔ ان دونوں کا موازنہ کیا جائے تو ایک اوزان سے نقش اور سروں سے بھری نظم، ایک بے وزن آزاد نظم بن گئی۔ اس نظم کی کچھ سطور کا مفہوم کسی حد تک تبدیل ہو گیا لیکن عمومی طور پر دونوں وقت کے مطابق بدلتے خوبصورتی کے معیار پر روشنی ڈالتی ہیں

Sonnet 130(9)

My mistress eyes are nothing like the sun;

Coral is far more red than her lips' red;

If snow be white, why then her breasts are dun;

If hairs be wires, black wires grow on her head.

I have seen roses damasked, red and white,

But no such roses see I in her cheeks;

And in some perfumes is there more delight

Than in the breath that from my mistress reeks.

I love to hear her speak, yet well I know

That music hath a far more pleasing sound;

I grant I never saw a goddess go;

My mistress, when she walks, treads on the ground.

And yet, by heaven, I think my love asrare

As any she be lied with false compare.

Dim Lady(10)

My honey bunch's peepers are nothing like neon.

Today's special at Red Lobster is redder than her

kisser.
If Liquid Paper is white, her racks are
institutional beige.
If her mop were Slinkys, dishwater Slinkys would
growon her noggin.
I have seen tablecloths inShakey's Pizza Parlors,
red andwhite,
but no such picnic colors do I see in her mug.
And in some minty-fresh mouthwashes there is
moresweetness than in the garlic breeze my main
squeezewheezes.
I love to hear her rap, yet I'm aware that Muzak
has ahipper beat.
Idon't know any Marilyn Monroes. My ball and
chain isplain from head to toe.
And yet, by gosh, my scrumptious Twinkie has
as muchsex appeal for me as any lanky model or
platinum movie idol who's hyped beyond belief.

یہ انتہائی حساس معاملہ ہے کہ کیا ہم کلاسیکی ادب کے ساتھ ایسی چھیڑ چھاڑ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یقیناً کلاسیکی ادب کے ساتھ سیکھنے کے لئے تجربہ کرنا کوئی مسئلہ نہیں لیکن اس کی اصل شکل میں بحالی اور ترویج ہی نئی نسل کا کام ہونا چاہیے: "جدید ادب کو وقت کے ساتھ مطابقت میں رکھنا بھی نئی نسل کا ہی کام ہے"[۱۱]

ایسے میں زبان و بیان سے لے کر اظہار کے طریقے تک اسے وقت کے مروجہ انداز میں ہی ہونا چاہیے۔ اگر وہ مروجہ نظام میں نہیں ہوں گے تو کبھی بھی مقبول نہیں ہوسکیں گے۔ پرانے شاعروں کی میمز بنا کر آج انہیں دوبارہ زندہ کیا جا رہا ہے۔ دنیا بھر میں کلاسیکی ادب کو سوشل میڈیا کے ذریعے ہی ترویج دی جا رہی ہے لیکن پاکستان میں ہم اب تک اس کام سے دور ہیں یا یوں کہیے کہ سب نے

اپنے آپ کو اس سے باز رکھا ہوا ہے گویا کوئی گناہ ہو۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے آج یا کل ہمیں تسلیم کر کے آگے بڑھنا ہوگا۔ پاکستان میں ابھی اس حوالے بہت کام کی ضرورت ہے یا پاکستانی ادیبوں کو ایک بار اس حوالے سے تربیت بھی دینے کی ضرورت ہوتا کہ وہ آگے بڑھ کر نئی نسل کی تربیت میں اپنا کردار ادا کریں۔ اگر پاکستانی ادیب جدیدیت سے دور ہو گئے تو اردو اور پاکستان کی دیگر قومی زبانوں میں رہی سہی جدیدیت بھی ختم ہو جائے گی۔ سوشل میڈیا پر نا جوانوں کی بدتہذیبی کا ذکر بہت ہوتا ہے لیکن یہ بدتہذیبی پہلے بھی موجود تھی لیکن سڑکوں پر بڑے انہیں سہی راستہ دکھانے کے لئے موجود تھے لیکن اس جدید بدتہذیبی کو روکنے کے لئے دانشمند لوگ سوشل میڈیا کا سہارا نہیں لے رہے۔ اس حوالے سے پاولو کوھیلو بہت بڑی مثال ہیں۔ ان جیسے ادیب کی بات کی جائے تو وہ بھی اپنا اظہار سب سے زیادہ انسٹاگرام اور یوٹیب کے ذریعے کرتے ہیں، جہاں وہ روانہ بہترین مکالمہ، جملہ، تصاویر اور گفتگو شیئر کرتے ہیں جو ان کی آنے والی کتابوں کا بھی حصہ رہی ہے۔ ایسے میں ان کے جملوں کو ادبی حیثیت بھی حاصل ہے لیکن پاکستان میں اس حوالے سے انحطاط موجود ہے۔

حواشی

1. Ram Babu Saksena, *A History of Urdu Literature*,(New Delhi:Asian Educational Services,1990)p21

۲۔ اطہر پرویز،ادب کا مطالعہ،(علی گڑھ:اردو گھر،۱۹۶۲ء)ص44

3. http//:www.nicholasbelardes.com/

4. Kamila Shamsi works, *In the city of sea*(1998), *Salt and Saffron* (2000), *Kartography*(2002), *Broken Verses*(2005), *Burnt Shadows* (2009), *A God in Every Stone*(2014), *Home Fire*(2017)

5. Mohsin Hamid works, *MothSmoke*(2000), *The Reluctant Fundamentalist*(2007), *How to Get Filthy Rich in Rising Asia* (2013), *Discontent and ItsCivilisation*:Despatches fromLahore, NewYork & London(2014) ,*Exit West*(2017)

6. Bina Shah works,*They Dream in Blue*(2001,) *The 786 Cyber café* (2004), *Blessings Short Stories*(2007), *Slum Child*(2010),

translated in Italian and Spanish as well, *A Season ForMartyrs* (2014) translated in Italy,*Before She Sleep*(2018)

7. https//:www.facebook.com/salman.zaheer.313
8. Mullen, H. *Sleeping with the Dictionary*,(California:University of California Press,2002)
9. G.Eld for T.T., Shake-speares Sonnet: *Never BeforeImprinted, first sold* by Williaam Aspley,1609,Republished by Harvard Universty
10. Mullen, H. *Sleeping with the Dictionary*,(California:Universityof California Press,2002)p20
11. Anne marts Schimmel,*A History of Indian Literature*(Volume3), (OTTOHARRASSOWITZ-WIESBADEN,1975)p127